چکبست لکھنوی کی قدریں

از جناب لکشمی نرائن وشسٹ تابش، نئی دہلی۔

قدریں انسانی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ انسان کو "سماجی جیو" اسی لیے کہا گیا ہے کہ وہ سماج میں رہتا ہے اور اس پر سماجی بندھن عائد ہوتے ہیں جن سے وہ بے تعلق نہیں ہو سکتا۔ وہ سماجی اساس کی ایک بڑی کڑی ہے۔ چنانچہ اس انسانی سماج میں کچھ پابندیاں ہیں۔ جن پر ان کو عمل پیرا ہونا پڑتا ہے تاکہ زندگی کا سماجی تعلق قائم رہے اور نظام حیات ٹھیک طرح چلتا جائے۔ اس کے علاوہ اس میں چند قدریں بھی ہیں جو انسان کو اشرف المخلوق کہلانے کی مستحق بناتی ہیں اور بعض اوقات یہ اُسے Super man (فوق البشر) بھی بنا دیتی ہیں۔ ان قدروں کا میدان بڑا وسیع ہوتا ہے۔ یہ جغرافیائی حدبندیوں سے بے تعلق اور زمان و مکاں کی قید سے بے نیاز ہوتی ہیں۔ ان میں ذات پات، اونچ نیچ، امیر غریب، چھوٹے بڑے اور قومیت یا مذہب کا امتیاز نہیں ہوتا۔ انہی حیاتِ ابدی ہے۔ یہی قدریں انسان، انسان کے درمیان ہمدردی، محبت اور دوستی کا جذبہ ودیعت کرتی ہیں اور انہیں وجوہ سے بنیادی بھائی چارہ کی لگن اُجاگر ہوتی ہے۔

ساری دنیا میرا پریوار ہے اور میں اُس کا ایک ممبر ہوں، انسانیت میرا مذہب ہے اور انسانی دردمندی میرا ایمان ہے۔ اگر یہ باتیں دنیا کے ہر فردِ بشر میں ودلیعت ہو جائیں تو دنیا میں آسانی سے امن قائم ہو سکتا ہے اور ہر طرح کے جھگڑے یا مسائل باعزت اور پُرامن طریقوں سے سلجھائے جا سکتے ہیں۔ الغرض یہ قدریں زندگی کی سچائیاں ہیں جو ایک انسان کو بلندی کردار اور حُسنِ اخلاق سے آراستہ و پیراستہ کرتی ہیں اور انہیں سے ایک عام آدمی بھی انسانِ کامل بن سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انہیں قدروں پر نظامِ کائنات کا انحصار ہے۔

ہمارے اس وسیع وعریض ملک میں مختلف ذات پات کے لوگ بستے ہیں، اُن کی زبان، لباس، رسم ورواج اور مذہبی اعتقادات ایک دوسرے سے جداگانہ ہیں لیکن اس تمام diversity کے باوجود ہم سب پہلے ہندوستانی ہیں اور بعد میں کچھ اور۔ اس بارے میں دو رائے نہیں ہیں۔ اس لیے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نئے ہندوستان میں لامذہبی جمہوریت کا دور دورہ ہے۔ جس میں ہر آدمی بلا امتیاز مذہب وملت اعلیٰ سے اعلیٰ رتبہ پہ فائز ہو سکتا ہے۔ اُسے ہر طرح کی مذہبی آزادی حاصل ہے۔ اس کی بنیاد رواداری، ہم وجودیت، انسانیت اور وسیع النظری پر رکھی گئی ہے۔ یہ در قدیم سے ہی امن اور اہنسا کا پیامبر رہا ہے۔ اس نے دنیا کو تاریکی اور جہالت کے گڑھے سے نکال کر اخوت اور انسانی ہمدردی کا درس دیا ہے، اس نے ہر ملک کی طرف دوستی، انصاف اور محبت کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ یہی قدریں ہمیں ہمارے بزرگوں سے ورثہ میں ملی ہیں جس کے ہم علمبردار ہیں۔ آج جبکہ ساری دنیا میں ذہنی انتشار پھیلا ہوا ہے اور جنگ کے خطرناک بادل آسمان پر منڈلا رہے ہیں۔ اس لیے اگر دنیا میں شانتی قائم ہو سکتی ہے تو انہیں متذکرہ قدروں کی بدولت۔ نہ کہ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم سے۔ ان بموں سے تو فقط انسانیت کی تباہی اور بربادی ممکن ہو سکتی ہے۔ یہ بم دُنیا کا کوئی بھی مسئلہ حل نہیں کر سکے ہیں۔ اس لیے دنیا کا خوفزدہ انسان ان قدروں کے دامن میں پناہ لیکر ہی اپنے آپ کو ہر خطرہ سے محفوظ رکھ سکتا ہے اور سکون کی دنیا میں اطمینان کا سانس لے سکتا ہے۔ چنانچہ چکبستؔ نے اس ثقافتی اور تہذیبی ورثہ کی صحیح معنوں میں ترجمانی کی ہے اور ان قدروں کو کسی طرح بھی نظرانداز نہیں کیا ہے۔

چکبستؔ نے ایسے ماحول میں آنکھیں کھولیں جبکہ ہندوستان میں انگریزوں کا طوطی بول رہا تھا اور لکھنؤ کی باغی فضا انگریزوں کے لیے ہموار ہو چکی تھی۔ اس طرح ہندوستانی معاشرت پر انگریزی تعلیم کا اثر روز بروز بڑھتا جا رہا تھا اور یہی رنگ ان قدروں پہ بھی چھاتا جا رہا تھا لیکن صدائے انقلاب ایٹم بم کے دبانے سے بھی نہیں دبتی۔ وطن پھر وطن ہے اور آزادی غلامی سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے۔ انگریزوں کے جور وستم نے ہندوستانیوں کی غیرت کو للکارا۔ کون سا غیرتمند

انسان ہے جو نہتوں پر گولی کی بوچھاڑ پسند کر سکتا ہے اور ظالموں کا مظلوموں پر ظلم برداشت کر سکتا ہے؟ ایک وسیع و عریض ملک کو غلامی کے پھندوں میں جکڑا ہوا دیکھ سکتا ہے؟ کون جھوٹے وعدوں پر بار بار یقین کر سکتا ہے اور کب تک؟ آخر کار ملک کے چاروں کونوں سے سارے ہندوستانی ایک جھنڈے کے تلے جمع ہو گئے اور ایک آواز ہو کر آزادی کا نعرہ بلند کیا جس کی آواز سارے ملک کے کونے کونے میں گونجتی اور پھیلتی چلی گئی۔ شمعِ آزادی کے پروانے سر پر کفن باندھ کر نکل پڑے اور انگریز کی بربریت اور غلامی کا قلع قمع کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ آخر کار ان حالات کو دیکھ کر اور عوام میں آزادی کا بے پناہ جوش اور پیار دیکھ کر انگریز کانپ اٹھا اور اب انھیں پورا یقین ہو گیا کہ ہندوستانی عوام کا یہ جذبۂ آزادی توپ اور گولی سے دبایا نہیں جا سکتا۔ بالآخر ہندوستان کے عوام کی قربانیاں رنگ لائیں اور انہیں قربانیوں کی وجہ سے ہمارا ملک آزاد ہوا جس نے انگریزی تانا شاہی کو ایک کاری ضرب لگائی اور اب انگریز کی حکومت میں سورج بھی غروب ہونے لگا ؎

مجھ کو مل جائے چہکنے کے لیے شاخ مری کون کہتا ہے کہ گلشن میں نہ صیاد رہے
محبت ہے مجھے کوئل کے درد انگیز نالوں سے چمن میں جا کے میں پھولوں کا شیدا ہو نہیں سکتا

موجودہ دور، انتشار اور افراتفری کا دور ہے۔ آج اقتصادی ڈھانچہ کا شیرازہ بکھرتا جا رہا ہے، اخلاقی گراوٹ عروج پر ہے، گرتو ڑ گرانی سے ہر جگہ عوام میں ہاہاکار مچی ہوئی ہے، ایک ملک دوسرے ملک کو بزور بازو ہڑپ کرنے کی فکر میں غلطاں و پیچاں ہے، حالات کے غیر یقینی ہونے کی وجہ سے عوام کے دلوں پر پژمردگی چھا گئی ہے، بڑے بڑے ملک مہلک ہتھیار تیار کر رہے ہیں، اشیائے خوردنی میں ملاوٹ بڑھتی جا رہی ہے، آزادی کے بعد عام آدمی کی حالت میں کسی طرح کا سدھار دکھائی نہیں دیتا ہے، انسانی ہمدردی اور محبت عنقا ہوتی جا رہی ہے، عزت اور شرافت کی زندگی مفقود ہوتی جا رہی ہے، خود غرضی اور مطلب پرستی پروان چڑھ رہی ہے، غنڈے عیش لوٹ رہے ہیں، کنبہ پروری، چور بازاری اور رشوت زوروں پر ہے۔ (اگرچہ ہماری سرکار ان برائیوں کی بیخ کنی کے لیے بہت سخت قدم اٹھا رہی ہے) ———

غرضیکہ سارے معاشرہ پر ایک عجیب قنوطیت اور تنزل چھایا ہوا ہے۔

اسی وجہ سے ہر چیز پر نئے پن کی چھاپ لگتی جا رہی ہے، پرانی چیزیں چراغِ سحری کی طرح ٹمٹما رہی ہیں۔ غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں زبردست تبدیلی اور ہلچل دکھائی دے رہی ہے۔ یہی حالت قدروں کی ہے۔ پرانی قدروں کی جگہ نئی قدریں جگہ لے رہی ہیں۔ اگرچہ انسان ذہنی الجھنوں اور مادی کشمکشوں میں بُری طرح جکڑا ہوا ہے، روحانیت کی جگہ مادّیت کا بول بالا ہوتا جا رہا ہے اور زندگی کی مشکلیں روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں لیکن پھر بھی اس بحرانی دور میں کچھ خدا کے بندے ایسے بھی ہیں جو ان قدروں کا دامن تھامے ہوئے ہیں۔ چکبست نے کہا ہے ؎

گو کہ باقی اب دلوں میں جذبۂ عالی نہیں　　پاک روحوں سے مگر دُنیا ابھی خالی نہیں

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ان قدروں میں انسانی زندگی کو روحانی روشنی اور دائمی سکون ملتا ہے۔ یہ کسی ایک آدمی یا قوم یا ملک کے لیے مخصوص نہیں بلکہ ان سے ہر کوئی فیضیاب ہو سکتا ہے۔ چنانچہ چکبست کو یہ قدریں عزیز تھیں جو آج کے دکھی اور پریشان انسان کے لیے سکون اور شانتی کا پیغام دیتی ہیں اور جن پر عمل پیرا ہونے سے اس کا دُکھ دور ہو سکتا ہے:-

کسی نے کہا ہے ؏

شاعری جزویست از پیغمبری

شاعر اور پیغمبر میں امتیازی فرق یہ ہے کہ شاعر الہامی نہیں ہوتا کیونکہ اس کا خدا سے بالواسطہ طور پر ربط ہوتا ہے اور پیغمبر الہامی ہوتا ہے کیونکہ اُس کا خدا سے براہِ راست تعلق ہوتا ہے۔ اگرچہ شاعری کو بھی الہامی کہا گیا ہے۔ شاعر اپنے اشعار کے اعجاز سے عوام کو جھنجھوڑتا ہے، انہیں خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے اور انہیں راہِ عمل کی طرف رغبت دلاتا ہے۔ وہ انھیں انسان انسان کے ساتھ پیار کرنا سکھاتا ہے تاکہ انسانی دنیا میں ہر طرف محبت اور اخوت کا دور دورہ قائم رہے۔ خدا پیغمبر میں کچھ خاص طاقتیں اور صلاحیتیں عطا کر کے اس انسانی دنیا میں بھیجتا ہے تاکہ وہ اس وقت کی ظلمتوں اور تاریکیوں کو مٹا کر محبت اور ہمدردی کے نور سے انسانی دنیا کو منوّر

کر دے اور مظلوموں کی مشکلوں کو آسان کر دے۔ اُس کا پیغام زمان و مکان کی پابندیوں سے مبرّا ہوتا ہے اور وہ کسی طرح کی بھی حدود میں مقید نہیں ہو سکتا۔ اُس پر ہمیشگی کی چھاپ لگی ہوتی ہے جس کی ابدیت یا آفاقیت میں فی زمانہ کبھی بھی کسی طرح کی کمی یا کمزوری پیدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ اُس میں ہر زمانے میں حالات کا ساتھ دینے کی مکمل صلاحیت ہوتی ہے مگر شاعر اسی آب و گل سے وابستہ ہوتا ہے۔ وہ پہلے ہماری طرح ایک انسان ہے جو اسی زمین پر انسانوں کی دُنیا میں بستا ہے، اُٹھتا بیٹھتا ہے اور سوتا جاگتا ہے۔ اُس پر بھی سردی یا گرمی اور خوشی یا غمی کا اثر ہوتا ہے اور اُسے بھی اچھائی، بُرائی کے جھگڑے میں اُلجھنا پڑتا ہے اور اُسے بھی مادّی ضروریاتِ زندگی پریشان کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ قدرت نے شاعر کے اندر خاص طاقتیں ودیعت نہیں کیں۔ اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ وہ (شاعر) ایک عام انسان کی سطح سے بالاتر ہو کر سوچتا اور محسوس کرتا ہے یعنی اُس کا شعوری احساس یا اندازِ فکر ایک عام انسان کے مقابلہ میں ہر اعتبار سے اونچا ہوتا ہے لیکن ایک پیغمبر قائم العقل ہوتا ہے اور وہ ہار جیت، نفع نقصان، جنم مرن، سُکھ دُکھ، محبّت نفرت، دوستی دُشمنی، عزّت ذلّت وغیرہ متضاد خاصیتوں سے پاک تر اور بلند تر ہے۔ اگرچہ دُنیا کا ایک عام آدمی (اور شاعر بھی) متذکرہ اضداد سے کسی شکل میں بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن وہ (پیغمبر) انسانیت کی بھلائی یعنی سب کام فی سبیل اللہ کرتا ہے (یعنی نشکام کرم) اور شاعر کے نظریہ میں دنیا دار ہونے کی وجہ سے کم و بیش پھل کی خواہش کی جھلک دکھائی دے ہی جاتی ہے۔ ایک شاعر عوام سے ربطِ خاص رکھتے ہوئے بھی وہ بعض اوقات صحیح راستے سے، اس کے قدم ڈگمگا سکتے ہیں۔ لیکن ایک پیغمبر سے کبھی بھی اس طرح کی غلطی سرزد نہیں ہو سکتی۔

المختصر یہ کہ چکبست نے ہمیں سبحہ و زنّار کی جکڑ بندیوں سے بے نیازی سکھلائی ہے، اُس نے شیخ و برہمن کی کشمکش سے بالاتر ہو کر بہتر اور کامیاب زندگی بسر کرنے کا اسلوب بتایا ہے، اس نے ہمیں وطن پرستی، قربانی اور مشکلوں کو صبر اور خندہ پیشانی سے برداشت کرنا سکھایا ہے۔ اس نے ایسے نازک وقت میں بیخوفی سے آزادی کا راگ الاپا جبکہ "باغ" میں "پھول" کو ہنسنے کی ممانعت تھی

اور کوئل کو خاموش رہنے کا حکم تھا ؎

حکم مالی کا یہ ہے پھول نہ ہنسنے پائیں چُپ رہے باغ میں کوئل اگر آزاد رہے

یہی وجہ ہے کہ چکبست کے پیغام میں الہامی تقدس بھی ہے اور ہندوستان کا نغمہ بھی۔ اُن قدروں میں ہندوستان کا ہی درد نہیں بلکہ ساری دنیا کا درد مضمر ہے۔ اُن کی شاعری میں ہمارے ملک کے تقاضوں کی من وعن تصویر ہے۔ اسی خوبی سے اُن کی لَے میں آفاقیت کا رنگ جھلکتا ہے۔ ان کے پیغام میں انسانیت اور رواداری ہے، وسیع الخیالی اور انسانی ہمدردی ہے، انصاف پسندی اور مصائب و آلام کو ملک کی خاطر ہنستے ہنستے سہنا ہے اور متحد و متفق ہو کر غاصب انگریز سے لوہا لینے کا حوصلہ بھی ہے۔

چکبست نے جن قدروں کی عکاسی اپنے اشعار میں کی ہے۔ یہاں اُن کا تفصیلی جائزہ لیا ہو۔

اس دنیائے رنگ و بو میں ہر جگہ خدائے بزرگ و برتر کا جلوہ دکھائی دیتا ہے ؎

کہتے ہیں خودی کسکو، خدا نام ہے کس کا دُنیا میں فقط جلوۂ جانانہ ہے میرا

ہر بنی نوعِ انسان کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے بھائی کی خوشی میں خوش اور غمی میں غمزدہ رہے اس لیے کہ اس دنیا میں کہیں خوشی کے شادیانے بجتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور کہیں ماتم ؎

جس جا ہو خوشی ہے وہ مجھے منزلِ راحت جس گھر میں ہو ماتم، وہ عزاخانہ ہے میرا

وفاداری انسانی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہے ؎

جس گوشۂ دُنیا میں پرستش ہو وفا کی کعبہ ہے وہی اور وہی بُت خانہ ہے میرا

دُنیا انسان کا مسکن ہے اور خدا کی مخلوق اس کی غمگسار ہے ؎

ہر ذرّۂ خاکی ہے مرا مونس و ہمدم دنیا جسے کہتے ہیں وہ کاشانہ ہے میرا

محبّت ایک لافانی جذبہ ہے اور انسان فانی ہے ؎

فنا نہیں ہے محبّت کے رنگ و بو کے لیے بہار عالمِ فانی رہے، رہے نہ رہے

مردِ میدانِ محبت زندۂ جاوید ہیں　　　موت آجانے سے تو انسان مرجاتا نہیں

دُنیاوی محبت ناپائدار ہے ؎

زمانہ کی محبت پہ نہ پھولا اے ہم نشیں نادان　　　سُنائیں گے تجھے فرصت میں قصے آشنائی کے

دنیا میں اچھے اور بُرے سبھی طرح کے لوگ ہیں۔ اس لیے وہی انسان اونچا ہے جو بدوں کے ساتھ بھی اچھائی کا سلوک روا رکھے ؎

بُروں سے بھی یہاں برتاؤ رکھتے ہیں بھلائی کے　　　بنایا باوفا اس دل کو صدقے بے وفائی کے

قناعت پسند دوسروں کے آگے کبھی ہاتھ نہیں پھیلاتا کیونکہ قناعت بذاتِ خود ایک ایسی نعمت ہے جو اسے ہر ممکن صبر و تسکین عطا کرتی ہے ؎

مردِ قانع کو نہیں رہتی گدائی کی ہوس　　　پاؤں پھیلا کر جو بیٹھا، ہاتھ پھیلاتا نہیں

اس انسانی دنیا میں اس قدر رنگا رنگی ہے کہ یہاں آکر انسان سب کچھ بھول جاتا ہے ؎

جہاں میں آنکھ جو کھولی، فنا کو بھول گئے　　　کچھ ابتدا ہی میں ہم انتہا کو بھول گئے

مصیبت انسان کے جوہر پرکھنے کی ایک کسوٹی ہے ؎

مصیبت میں بشر کے جوہرِ مردانہ کھلتے ہیں　　　مبارک بزدلوں کو گردشِ قسمت سے ڈر جانا

صرف قسمت پر ہی قناعت کرنے سے کام نہیں چلتا بلکہ تدبیر کرنا بھی انسان کا فرض ہے ؎

درِ تدبیر پر سر پھوڑنا شیوہ رہا اپنا　　　وسیلے ہاتھ ہی آئے نہ قسمت آزمائی کے

اس شعر میں چکبست نے مسئلۂ تناسخ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دنیا میں پیدا ہونا، مرنے کی دلیل ہے ؎

عروسِ جاں نیا پیراہنِ ہستی بدلتی ہے　　　فقط تمہید آنے کی ہے دُنیا سے گذر جانا

اس دنیا کی چمک دمک اور رنگا رنگی میں انسان اس قدر کھو جاتا ہے کہ اُسے اپنی منزل کی بھی سدھ بدھ نہیں رہتی۔ اس واسطے یہ حقیقت ہے کہ یہ دُنیا جھنجھٹوں سے بھرپور ہے ؎

مقام کو پیچ کیا ہے منزلِ مقصود تک بھولے　　　قیامت تھا سرائے دہر میں دو دن ٹھہر جانا

انگریزی کے مشہور و معروف شاعر (Shelley) (شیلے) نے کہا ہے ؎

'Our sweetest songs are those that tell of saddest thoughts'

کوئل کے نغمہ میں درد، تڑپ اور کشش ہوتی ہے۔ اس شعر میں ہندوستانیوں پر انگریزوں کی لگائی گئی زباں بندی کا اشارہ ہے ؎

محبت ہے مجھے کوئل کے درد انگیز نالوں سے چمن میں جا کے میں پھولوں کا شیدا ہو نہیں سکتا

شور مچانے سے ملک کی طاقت نہیں بڑھتی۔ فقط ایک 'درد آشنا دل' ہی وطن میں نئی روح پھونک سکتا ہے ؎

زباں کے زور پر ہنگامہ آرائی سے کیا حاصل وطن میں ایک دل ہوتا مگر درد آشنا ہوتا

عوام کی سیوا کرنا ہی سب سے بڑی عبادت ہے ؎

خدمتِ انساں سے دل کو آشنا کرتے رہے دل کے آئینہ پہ الفت کی جلا کرتے رہے

موہ ہی انسان کو دنیا کے وسوسوں میں پھانستا ہے اور اسی وجہ سے اس کا دنیاوی چیزوں کے ساتھ پریم ہو جاتا ہے ؎

اگر دردِ محبت سے نہ انساں آشنا ہوتا نہ کچھ مرنے کا غم ہوتا، نہ جینے کا مزہ ہوتا

زندگی اور موت آج تک سب کے لیے معمہ بنے ہوئے ہیں ؎

فنا کا ہوش آنا، زندگی کا دردِ سر جانا اجل کیا ہے؟ خمارِ بادۂ ہستی اتر جانا

زندگی کیا ہے؟ عناصر میں ظہورِ ترتیب موت کیا ہے؟ انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

دیکھیں سرو رِ بادۂ ہستی کا خاتمہ اب دیکھیں رنگ لائے اجل کا خمار کیا

انسان پر مختلف کیفیتیں وقتاً بہ وقتاً طاری ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی انسان مسرت سے لطف اندوز ہوتا ہے اور کبھی اسے غم کی تلخیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کے لیے اس طرح کی تبدیلی زندگی میں ایک نئی بہار پیدا کرتی ہے ؎

یہ سودا زندگی کا ہے کہ غم انسان سہتا ہے   نہیں تو ہے بہت آسان اس جینے سے مرجانا

محنت سے زندگی کا ہر مرحلہ آسانی سے طے کیا جا سکتا ہے اور یہی چیز انسان کو زندگی میں قدر و منزلت دلاتی ہے ؎

چمن زارِ محبت میں اسی نے باغبانی کی   کہ جس نے اپنی محنت ہی کو محنت کا ثمر جانا
اور ہوں گے جنھیں رہتا ہے مقدّر سے گلا   اور ہوں گے جنھیں ملتا نہیں محنت کا صلہ

ہنرمندوں نے عموماً قدر نا شناسیٔ زمانہ اپنی بے قدری کا رونا رویا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اہلِ ہنر کافی حد تک اس تعریف و تحسین اور قدر و منزلت سے محروم رہ جاتے ہیں جن کے وہ مستحق ہوتے ہیں ؎

زمانہ میں نہیں اہلِ ہنر کا قدرداں باقی   نہیں تو سینکڑوں موتی ہیں اس دریا کے دامن میں

مذہب میں بھی ظاہری پابندیاں کارفرما ہوتی ہیں ؎

یہاں تسبیح کا حلقہ، وہاں زنّار کا پھندا   اسیری لازمی ہے مذہبِ شیخ و برہمن میں

انسانی دنیا میں اُمید اور مایوسی میں چولی دامن کا ساتھ ہے ؎

کشاکش ہے امید و یاس کی یہ زندگی کیا ہے   الٰہی ایسی ہستی سے تو اچھا تھا عدم میرا

ایسے بہت کم لوگ دیکھنے میں آئے ہیں کہ جن کی جیتے جی صحیح قدر ہوئی ہو۔ لیکن جب یہ 'بندے'، اس دنیائے فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف کوچ کر جاتے ہیں تو پھر ان کو یاد کیا جاتا ہے۔ مرنے کے بعد واقعی انسان کی قدر ہوتی ہے ؎

اس کو ناقدریٔ عالم کا صلہ کہتے ہیں   مر چکے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا
دوست مرنے پہ مرے دادِ وفا دیتے ہیں،   ہائے کس وقت محبت کا صلہ دیتے ہیں

اسی حقیقت کی طرف مرزا غالبؔ نے بھی اشارہ کیا ہے ؏

شہرتِ شعرم بہ گیتی بعدِ من خواہد شدن۔

جب آدمی کو زندگی میں پے در پے انواع و اقسام کی پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو وہ ایسی زندگی سے بیزار ہو جاتا ہے ؎

عدم سے آئے تھے دُنیا میں کیا معلوم تھا ہم کو رہے گا ساتھ سودا زندگی کا درد سر ہو کر

زندگی تلخیٔ ایام کا افسانہ ہے زہر بھرنے کے لیے عمر کا پیمانہ ہے

ہر دم ہے طبیعت کو الجھن، اک یاس کا عالم طاری ہے یہ سانس نہیں اک کانٹا ہے، یہ زیست نہیں بیماری ہے

حسد کی وجہ سے اہلِ ہنر کے بہت سے دشمن بن جاتے ہیں ؎

یہی اک راستہ باقی تھا کیا اوج مراتب کا بنے اہلِ نظر تم دشمنِ اہلِ ہنر ہو کر

فقیری میں مستی اور سکون ہے ؎

نظر آتا ہے فقیری میں تماشائے جہاں ٹھیکرا بھیک کا جمشید کا پیمانہ ہے

آج تک انسانی عقل خدائی رازوں کو جاننے سے بالکل قاصر رہی ہے ؎

افشا ہوا نہ جور قضا و قدر کا راز پردہ اُٹھا نہ مصلحت کردگار کا

کر کے فسونِ حسن کا دنیا طلسم ہے ہیں لوحِ آسماں پہ یہ نقش و نگار کیا

انسان خواہشات کا غلام ہے۔ اس کی ایک خواہش پوری ہوتی ہے اور دوسری سامنے کھڑی دکھائی دیتی ہے۔ یہ ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ ہے۔ یہی خواہشیں اس کے لیے پریشانی کا موجب بنتی ہیں ؎

اک سلسلہ ہوس کا ہے انساں کی زندگی اس ایک مشتِ خاک کو غم دو جہاں کے ہیں

دنیا واقعی منزلِ عبرت ہے۔ اس میں خوشی اور غمی دونوں پائے جاتے ہیں ؎

منزلِ عبرت ہے دنیا، اہلِ دنیا شاد ہے ایسی دلجمی سے ہوتی ہے پریشانی مجھے،

مگر افسوس یہ دنیا ہے مقامِ عبرت رنج کی یاد دلاتا ہے خیالِ راحت

نیک جذبہ کے کا پابند نہیں ہوتا ؎

دل اسیری میں بھی آزاد ہے آزادوں کا ولولوں کے لیے ممکن نہیں زنداں ہونا

دنیا میں انسان کو طرح طرح کے کشت ہوتے ہیں۔ اس کا سیدھا سا علاج "دان" کرنا ہے ؎

۵۰

کلفتِ دُنیا مٹے بھی تو سخی کے فیض سے   ہاتھ دھونے کو ملے بہتا ہوا پانی مجھے

انسانی زندگی میں دل کو بڑا درجہ حاصل ہے۔ اگر دل میں خوشی ہے تو ہر سمت خوشی ناچتی ہوئی نظر آتی ہے اور اگر دل پر پژمردگی چھائی ہوئی ہے تو اسے ہر طرف افسردگی ہی دکھائی دیتی ہے۔ اسی لیے من کے ہارے ہار اور من کے جیتے جیت، سچ مانا گیا ہے ؎

دل جو ویران ہوا، ہو گئی دنیا ویراں   کوئی گھر خوش نہیں، بستی کوئی آباد نہیں

یہ دل کی تازگی ہے، یہ دل کی افسردگی   اس گلشنِ جہاں کی خزاں کیا، بہار کیا

دل ہی کی بدولت ہے بہشت بھی گر، دل ہی کی بدولت ہے جنت بھی   یہ دُنیا جسکو کہتے ہیں، دوزخ بھی ہے اور جنت بھی

بڑھاپا نام ہے جسکا وہ ہے افسردگی دل کی   جوانی کہتے ہیں جسکو طبیعت کی جوانی ہے

بشر کا دل نہ ہو زندہ تو آب و گل کیا ہے؟   فقط طلسم اُمیدوں کا ہے، یہ دل کیا ہے؟

منزلِ عیش کوئی مجھے گوشۂ گمنامی ہے   دل وہ یوسف ہے جسے فکرِ خریدار نہیں

انسان کو درحقیقت "دردِ دل" کے لیے پیدا کیا گیا ہے جو ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے ؎

متاعِ دردِ دل اک دولتِ بیدار ہے مجھکو   دُرِ شہوار ہیں اشکِ محبت میرے دامن میں

انسانی دنیا قدرت کی جادوگری کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے ؎

اگر کون و مکاں اک شعبدہ تھا اسکی قدرت کا   تو اس دنیا میں آخر کس لیے آیا قدم میرا

مذہب میں انسان نے کئی طرح کے جھگڑے پیدا کر رکھے ہیں۔ جو کوئی آدمی ان جھگڑوں کی قلعی کھولتا ہے تو دھرم کے ٹھیکیدار، اس کے دشمن بن جاتے ہیں ؎

پُرانی کاوشیں دیر و حرم کی مٹتی جاتی ہیں   نئی تہذیب کے جھگڑے ہیں اب شیخ و برہمن میں

کیا ہے فاش پردہ کفر و دیں کا اسقدر میں نے   کہ دشمن ہے برہمن اور عدو شیخِ حرم میرا

وہ لوگ واقعی خوش قسمت ہیں جو ہر وقت وطنیت کے نشہ میں سرشار نظر آتے ہیں ؎

ارماں یہی ہے، یہی عالم ہے نظر میں   جو بجھ نہ سکے آگ وہ پیدا ہو جگر میں

جس انسان میں سودا، نہیں وہ مُردہ بدرست زندہ ہے ؎

ہے شوق کی منزل یہی دنیا کے سفر میں　　کیا خاک جوانی ہے جو سودا نہیں سر میں
غیر کو جس سے نہ راحت ہو، وہ راحت کیا ہے؟　　جس میں سودا نہ ہو کچھ بھی، وہ طبیعت کیا ہے
ہمدردی اور وفاداری ہی انسانیت کا پیش خیمہ ہیں ؎
دردِ دل، پاسِ وفا، جذبۂ ایماں ہونا　　آدمیت ہے یہی اور یہی انساں ہونا
شہرۂ خاص کا طالب، ہی انسان کہلانے کا مستحق ہے ؎
شہرۂ خاص کا طالب جو ہوا، انساں ہے وہی　　ورنہ شیطان سے زیادہ کوئی مشہور نہیں
لالچ ایک بُری چیز ہے ؎
کیا ہوائے حرص میں برباد ہے بشر　　سمجھا ہے زندگی کو یہ مشتِ غبار کیا
زندگی عمل سے ہمکنار ہے ؎
اعمال کا طلسم ہے نیرنگِ زندگی　　تقدیر کیا ہے، گردشِ لیل و نہار کیا
گلزارِ محبت ہمیشہ سرسبز اور شاداب رہتا ہے ؎
محبت کے چمن میں مجمعِ احباب رہتا ہے　　نئی جنت اسی دنیا میں ہم آباد کرتے ہیں
آتما امر ہے ؎
نکل کر اپنے قالب سے نیا قالب بسائے گی　　اسیری کیلئے ہم روح کو آزاد کرتے ہیں
مذہبی جکڑ بندیاں خواہ مخواہ کئی طرح کے جھگڑے پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں ؎
بلائے جاں ہیں یہ تسبیح اور زنار کے پھندے　　دلِ حق بیں کو ہم اس قید سے آزاد کرتے ہیں
مجھے دیر و حرم سے واسطہ کیا، رندِ مشرب ہوں　　وہی ایمان ہے جو کچھ کہے پیرِ مغاں میرا
اذاں دیتے ہیں بتخانہ میں جا کر شانِ مومن سے　　حرم میں نعرۂ ناقوس ہم ایجاد کرتے ہیں
استاد قوم کا معمار ہے۔ ہر ایک شاگرد کو اپنے اُستاد کا احترام اور خدمت کرنی چاہیے ؎
ادب تعلیم کا جوہر ہے، زیور ہے جوانی کا　　وہی شاگرد ہیں جو خدمتِ استاد کرتے ہیں
اس زندگی میں سینکڑوں طرح کے واقعات پیش آتے ہیں۔ اس لیے ان سب کو یاد رکھنا انسانی

ذہن کے لیے بہت ہی مشکل ہے ؎

سبق عمرِ رواں کا دل نشیں ہونے نہیں پاتا　　　ہمیشہ بھولتے جاتے ہیں جو کچھ یاد کرتے ہیں

جوانی رنگینیوں اور بڑھاپا بندگی کے لیے ہے ؎

جبتک ہے جوانی کا عالم کیا عیش کی مستی رہتی ہے　　　جب پیری موت کی لائی خبر پھر زہد بھی ہے اور طاعت بھی

اس مُردہ دل کو خاک نہیں زندگی کا لطف　　　جس کی شباب میں بھی طبیعت جواں نہیں

دشمن کے ساتھ بھی وفاداری برتنا حسنِ اخلاق ہی نہیں بلکہ معراجِ انسانیت بھی ہے ؎

دشمنوں سے بھی مجھے ترکِ وفا مشکل ہے　　　دوست بن کر مجھے کم بخت دغا دیتے ہیں

انسان کو صفائے قلب کی وجہ سے فوقیت حاصل ہے ؎

صفائے قلب سے اللہ رے انسان کی عظمت　　　فرشتے چومتے ہیں آ کے سنگِ آستاں میرا

صبح کا وقت عبادت کے لیے وقف ہوتا ہے اور اسی لیے دنیا عبادت گاہ ہے ؎

نظر آتی ہے دنیا اک عبادت گاہِ نورانی　　　سحر کا وقت ہے بندے خدا کو یاد کرتے ہیں

انسانی دماغ نے ایسے انکشافات اور ایجادات کئے ہیں جنھیں دیکھ کر ہر ایک آدمی دم بخود رہ جاتا ہے ؎

ہوا میں اُڑ کے سیرِ عالم ایجاد کرتے ہیں　　　فرشتے دنگ ہیں وہ کام آدم زاد کرتے ہیں

سکھ اور دکھ میں چولی دامن کا ساتھ ہے ؎

گرتے ہی زمیں کے دامن میں اے طفل! یہ رونا دھونا کیا

دنیا میں اگر تو آیا ہے، یاں رنج بھی ہے اور راحت بھی

اس دُنیا میں ہر ایک فتنہ انسان کا خود پیدا کردہ ہے ؎

انساں کے بغض وجہل سے دنیا تباہ ہے　　　طوفاں اٹھا رہا ہے یہ مشتِ غبار کیا

عیش پرست درد کی لذت سے بیگانہ ہوتا ہے ؎

راحت طلب کو درد کی لذت نہیں نصیب　　　تلووں میں آبلے جو نہیں لطفِ خار کیا

مرنے کے بعد شہرت اور ناموس کی فکر بے معنی ہے ؂

بعد فنا فضول ہے نام و نشاں کا فکر جب ہم نہیں رہے تو رہے گا مزار کیا

بنی نوع انسان کے ساتھ پریم کرنا ہی سب سے بڑی بھگتی ہے ؂

یا خوفِ خدا یا خوفِ سقر ہیں دو ہی بیاں تیرے واعظ اللہ کے بندے دل میں ترے ہے سوز و گدازِ محبت بھی

مُردہ دلی مایوسیوں کا منبع ہے ؂

مُردہ دل زندہ جہانے زندگی سینے کو ہیں مرنے والے مرگئے پاسِ وفا کے واسطے

سائنس دن بدن کتنی محیر العقول ترقی کرتی جا رہی ہے ؂

آب و آتش کی غلامی پر بشر قانع نہیں ہو رہی ہے فکر تسخیرِ ہوا کے واسطے

انسان کے ساتھ صرف برائی اور بھلائی ساتھ جاتی ہے ؂

مری نیکی تو مرے ساتھ گئی دنیا سے کیا ابھی دل میں رقیبوں کے بدی باقی ہے

خدا ایک ہے ؂

عین کثرت میں یہ وحدت کا سبق وید میں ہے ایک ہی نور ہے جو ذرّہ و خورشید میں ہے

خدا کی بدولت ہر چیز پُر رونق دکھائی دیتی ہے ؂

جس سے انسان میں ہے جوشِ جوانی پیدا اُسی جوہر سے ہے موجوں میں روانی پیدا

تمکنت حسن میں ہے، جوش ہے دیوانے میں روشنی شمع میں ہے، سوز ہے پروانے میں

خدا ہر جگہ موجود ہے ؂

رنگ و بو ہو کے سمایا وہی گلزاروں میں ابر بن کر وہی برسا کیا کہساروں میں،

شوق ہو کر دلِ مجذوب پہ چھایا ہے وہی درد بن کر دلِ شاعر میں سمایا ہے وہی

نورِ ایماں سے جو پیدا ہو صفا سینے میں عکس اس کا نظر آتا ہے اسی آئینے میں

وہ ہے سب جگہ جو کرو نظر، وہ کہیں نہیں جو ہو بے بصر مجھے آج تک نہ ہوئی خبر، وہ کہاں ہے اور کہاں نہیں

دولت بڑی چیز ہے کیونکہ یہ انسان کی مادّی ضرورتوں کو پورا کرتی ہے اور یہ اس کے الجھے ہوئے

کاموں کو سلجھاتی ہے ؎

دولت سے ہے اب زینتِ کاشانۂ تہذیب
کہتے ہیں اسے شمعِ جلوخانۂ تہذیب
کوشش کبھی زردار کی جاتی نہیں بے سود
رہتا ہے سدا سایہ فگن طالعِ مسعود
انسان کی نیت میں اگر شر نہ ہو موجود
زر ہاتھ میں اس کے ہے کلیدِ دُرِ مقصود
کب گوہرِ اُمید کو کھولا نہیں اس نے
تھا کونسا در بند جو کھولا نہیں اس نے
ہوں طالبِ تحقیق کہ دلدادۂ تعلیم
خم سامنے دولت کے ہے سب کا سرِ تسلیم
دنیا ہی میں کچھ ذکر نہیں تازہ ہے اس کا
دربار میں اللہ کے آوازہ ہے اس کا
ہر رنگ میں یہ تازگیٔ قلب و جگر ہے
ہے صلح میں شمشیر، لڑائی میں سپر ہے

دولت کا صحیح استعمال اس بات پر منحصر ہے کہ اُسے ملک و قوم کے تعمیری کاموں اور غریبوں کی مشکل کشائی کے لیے صرف کیا جائے۔ اس کے علاوہ دولت مند میں شرافت اور عاجزی کا ہونا سونے پر سہاگہ کا کام دیتا ہے ؎

سنتے ہیں انہیں کے لیے ہے کوثر و تسنیم
یاں جو رہِ مولا میں لٹاتے ہیں زر و سیم
لیکن وہ زر و مال نہیں قابلِ تحسین
انساں کو بنا دے جو شکم پرور و خود بیں
زردار وہ ہے جس میں شرافت کے ہوں آئین
ہر بزمِ محبت کے لیے باعثِ تزئین
سرسبز رہے قوم یہ انعام ہو اس کا
باراں کی طرح فیضِ کرم عام ہو اس کا
دولت وہ ہے مجبور کی جو عقدہ کشا ہو
اکسیر ہو، دردِ دلِ بیکس کی دوا ہو
آئینۂ اخلاق و محبت کی جلا ہو
ظلماتِ خلافت کے لیے آبِ بقا ہو
یوں فیض کے چشمے ہوں رواں باغِ وطن میں
جیسے کرمِ ابرِ گہربار چمن ... میں
ادنیٰ سے ملے جھک کے یہ اعلیٰ کی ہے عظمت
بس نشۂ زر سے نہ جھکے چشمِ مروت
دنیا میں جنھیں رُتبۂ عالی ہے میسّر
بیکس کی وہ امداد کیا کرتے ہیں اکثر
دل ہو نہ ترا سا تو دنیا کی حقیقت کیا ہے
تن پرستی پہ جو ہو صرف وہ دولت کیا ہے

خود غرضی بُری چیز ہے ؎

یاں قوم میں حاصل ہے جنہیں اوجِ فزوں تر — وہ شومئ تقدیر سے دل رکھتے ہیں پتھر
ہمدرد ہوں غیروں کے یہ عادت نہیں انکی — تکلیف ہے جو وہ طبیعت نہیں ان کی
دکھلاتی ہے بس سیفِ زباں جوہرِ عالی — لاریب صدا دیتا ہے جو ظرف ہے خالی
اصلاح کی تقلید ہے اک امرِ خیالی — جب بانیٔ اصلاح ہوں خود ضیغمِ قالی

باطن میں پاکیزگی اور دل میں تڑپ ہونی چاہیے ؎

گر حسن نہیں عشق بھی پیدا نہیں ہوتا — بلبل گلِ تصویر پہ شیدا نہیں ہوتا
جو خود نہیں سرگرم کرے گا وہ بشر کیا — جب دل میں نہیں درد، زباں میں ہو اثر کیا
باطن میں جس انسان کے اچھے نہیں کردار — ظاہر کی نمائش سے وہ ہوتا نہیں دیں دار
دل صورتِ آئینہ جو روشن نہیں ہوتا — زنّار پہننے سے برہمن نہیں ہوتا

انس اور ہمدردی سے ہی انسان اشرف المخلوق کہلایا ہے اور یہی حقیقت میں مذہب کا نچوڑ ہے ؎

ہاں ابرِ کرم سے چمنِ قوم ہو شاداب — واللہ یہی حسنِ شرافت کا ہے آداب
حیوان بھی یوں رکھتے ہیں سب شغلِ خور و خواب — تہذیب کا آئین ہے دل سوزئ احباب
محروم اسی خلق سے انسان ہوا ہے — انسان اسی بات سے انسان ہوا ہے
خالق نے دیئے ہیں جنہیں اوصافِ حمیدہ — ہوش ان کے نہ ہوں نشۂ نخوت سے پریدہ
للہ کریں قوم سے دامن نہ کشیدہ — لاتی نہیں پھل پھول کبھی شاخِ بریدہ
احباب کی صحبت کو بشر کھو نہیں سکتا — ناخن سے کبھی گوشت جدا ہو نہیں سکتا
واجب نہیں مذہب کے مسائل میں بھی حجت — بازیچۂ اطفال ہیں ہفتاد و دو ملت
بس قابلِ تسلیم اسی کی ہے شریعت — جس دل میں ہو انساں کے لیے دردِ محبت
تہذیب پسندیدۂ اخلاق یہی ہے — مذہب یہی، ملت یہی، اخلاق یہی ہے
دردِ الفت زندگی کے واسطے اکسیر ہے — خاک کے پتلے اسی جوہر سے انساں ہو گئے

(باقی آئندہ)